Fikr-o-Nasar (Islamabad) 9:4 (1971)

شاہ ولی اللہؒ اور مسئلہ اجتہاد

محمدؐ مظہر بقا

— ۳ —

مجتہد مطلق کے لئے بعض مزید شرائط:- (۱)۔ امام غزالیؒ نے مجتہد مطلق کے لئے ایک شرط یہ لکھی ہے کہ وہ عادل ہو اور ان معاصی سے مجتنب ہو جو عدالت کو مجروح کر دیتے ہیں۔ لیکن خود ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ عدالت قبولیتِ فتویٰ کے لئے شرط ہے صحت اجتہاد کے لئے شرط نہیں۔[1]
ابن ہمام نے بھی عدالت کو صرف قبولیت فتویٰ کے لئے شرط قرار دیا ہے۔[2]

۲ - علامہ شاطبی نے مقاصدِ شریعت کے کامل فہم کو ضروری قرار دیا ہے۔[3]

۳ - امام شافعی صحت فہم اور حسن تقدیر کو ضروری قرار دیتے ہیں۔[4]

۴ - بعض حضرات نے صحت نیت اور سلامت اعتقاد کو ضروری قرار دیا ہے۔[5]

ان میں سے آخری دو باتوں کی ضرورت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا اور چوں کہ یہ بنیادی ہیں جن کا ہر مجتہد میں ہونا ضروری ہے، غالباً اسی لئے دوسروں نے اور شاہ صاحب نے بھی انہیں مستقل شرائط کے طور پہ ذکر نہیں کیا۔

مجتہد مطلق کے لئے بعض مختلف فیہ شرائط:- (۱)۔ دلیل عقلی کے علم کو امام غزالی نے شرط قرار دیا ہے[6]۔ امام فخرالدین رازی اور ایک جماعت بھی یہی کہتی ہے[7]۔ لیکن دوسرے لوگ جن میں شاہ صاحب بھی شامل ہیں اسے شرط قرار نہیں دیتے کیوں کہ اجتہاد کا مدار ادلہ شرعیہ پر

۱۔ مستصفیٰ، ج ۲ ص ۳۵۰۔
۲۔ تحریر، ص ۵۲۴۔
۳۔ موافقات، ج ۴ ص ۵۶۔
۴۔ ابو زہرہ، اصولِ فقہ، ص ۳۷۲۔
۵۔ ایضاً۔
۶۔ مستصفیٰ۔ ج ۲ ص ۳۵۰۔
۷۔ ارشاد۔ ص ۲۵۲۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

ہے ادلہ عقلیہ پر نہیں۔[1]

۲۔ اصولِ دین کا علم۔ معتزلہ کے نزدیک اصول دین کا علم مجتہد کے لئے ضروری ہے لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ضروری نہیں اور بعض لوگوں نے یہ تفصیل کی ہے کہ ضروریات کا علم مجتہد کے لئے ضروری ہے مثلاً وجود و صفاتِ باری اور آوردہ انبیاء کی تصدیق۔ لیکن اصولِ دین کے دقائق کا علم ضروری نہیں[2] امام غزالی یہی کہتے ہیں[3]۔ اور آمدی کا مسلک بھی یہی ہے[4]

اس سلسلہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجتہد کے لئے اصول اعتقاد کا علم ضروری ہے۔ لیکن امام غزالی ہی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ اسے متکلمین کے طریقہ کے مطابق اور ان کے دلائل کے ساتھ اصولِ اعتقاد کا علم ہو۔[5]

۳۔ فروع کا علم۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ فروع کا علم بھی مجتہد کے لئے ضروری ہے۔ استاد ابو اسحٰق شیرازی اور استاد ابو منصور یہی کہتے ہیں[6]۔ امام غزالی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اجتہاد فروع کی ممارست ہی سے حاصل ہوتا ہے۔[7] لیکن دوسرے لوگ اسے شرط قرار نہیں دیتے۔[8]

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجتہد کے لئے فقہ کا جاننا ضروری نہیں۔[9]

امام غزالی کی یہ بات کہ ہمارے زمانہ میں اجتہاد فقہ کی ممارست ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے بھی نقل کی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مجتہد مطلق منتسب کے لئے ہے مجتہد مطلق مستقل کے لئے نہیں، جس طرح مجتہد مستقل کے لئے صحابہ اور تابعین کے کلام کا علم ضروری ہے، اسی طرح مجتہد مطلق منتسب کے لئے مجتہد مطلق مستقل کے نصوص کا علم ضروری ہے۔[10]

۱۔ ارشاد، ص ۲۵۲۔
۲۔ التقریر، ج ۳ ص ۲۹۲۔
۳۔ مستصفیٰ، ج ۲ ص ۳۵۲۔
۴۔ آمدی، ج ۳ ص ۱۳۹۔
۵۔ عقد، ص ۸۶۔
۶۔ ارشاد، ص ۲۵۲۔
۷۔ مستصفیٰ، ج ۲ ص ۳۵۳۔
۸۔ ارشاد، ص ۲۵۲۔
۹۔ عقد، ص ۷۔
۱۰۔ ایضاً۔

شاہ صاحب نے اگرچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ اصل معنی اجتہاد آنست کہ جملہ عظمیہ از احکام فقہ دانستہ باشد بادلہ تفصیلہ ۔ الخ [1] لیکن جس طرح بقول شاہ صاحب امام غزالی کی فقہ کی عبارت کی بات مجتہد منتسب کے متعلق ہے اسی طرح شاہ صاحب کی یہ بات بھی مجتہد منتسب ہی سے متعلق ہے ۔ اسی لئے شاہ صاحب نے مجتہد منتسب کی ایک خصوصیت یہ بھی لکھی ہے کہ وہ علم حدیث اور اپنے اصحاب سے مروی فقہ اور اصول فقہ کا جامع ہوتا ہے [2]۔

مجتہد مطلق کی دو قسمیں :- مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں مستقل اور منتسب (یا مجتہد غیر مستقل)۔ [3]

مجتہد مستقل [4] :- مجتہد غیر مستقل کے مقابلہ میں مجتہد مستقل کی امتیازی خصوصیات تین ہیں۔

۱ - ان اصول و قواعد میں تصرف جن پر اس کے مجتہدات کی بنیاد ہوتی ہے اور جن سے وہ فقہ کا استنباط کرتا ہے ۔ [5]

---

۱ - ازالہ ۔ ج ۱ ص ۴ ۔ ۲ - عقد ، ص ۴۲ ۔

۳ - عقد الجید ، ص ۱۰ ، ۱۱ ۔ الانصاف ، ص ۷۱ ، ۷۲ ۔ ۷۳ ۔

۴ - ایضاً ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں تمہیں امام شافعی میں واضح طور پر نظر آئیں گی ۔ (ایضاً) ۔

۵ - اصول میں تصرف کی مثال میں شاہ صاحب نے امام شافعی کو پیش کیا ہے فرماتے ہیں کہ یہ چیز تمہیں کتاب الام کے شروع میں ملے گی کہ امام شافعی نے ادائل کے استنباط کے طریقے ذکر کر کے ان پر استدراک بھی کیا ہے ۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں شیخ ابو طاہر کے واسطہ سے خود اپنی سند کے ساتھ امام شافعی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اصل قرآن و سنت ہے، ورنہ ان دونوں پر قیاس ، اور جب کوئی حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متصل ہو یا اس کی اسناد آپ سے صحیح ہو تو وہ سنت ہے اجماع کا درجہ خبر مفرد سے بڑا ہے ۔ حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے گا ۔ لیکن اگر اس میں متعدد معانی کا احتمال ہو تو جو معانی ظاہر سے زیادہ مشابہ ہوں وہ اولیٰ ہوں گے ۔ اور جب متعدد احادیث جمع ہو جائیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲- آیات اور احادیث کا تتبع، ان کے احکام کا علم، مختلف احادیث کے درمیان جمع، محتمل احادیث کی تعیین، متعارض دلائل میں سے بعض کے مقابلہ میں بعض کا اختیار، احتمالِ راجح کا بیان اور ان دلائل میں سے ماخذ احکام پر تنبہ۔ [۱]

۳- قرون مشہود لہا بالخیر میں جن مسائل کا جواب نہیں دیا گیا، ان دلائل کی روشنی میں، ان پر گفتگو کرنا اور تفریعات کے ذریعہ ان کا جواب معلوم کرنا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجتہد مستقل ان خصلتوں میں کثیر التصرف اور اپنے اقران پر فائق ہوتا ہے۔

شاہ صاحب اپنے مذاق کے مطابق مجتہد مستقل کے بارے میں ایک مزید بات فرماتے ہیں کہ آسمان سے اس کی قبولیت بھی نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ علماء میں سے مفسرین، محدثین، اصولیین اور کتب فقہ کے حفاظ کی جماعتیں اس کے علم کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ اور جب اس قبولیت پر کئی قرن گزر جاتے ہیں تو یہ دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔ [۲]

مجتہد منتسب :- مجتہد منتسب میں حسب ذیل خصوصیات ہوتی ہیں :-

۱- وہ اپنے شیخ کے اصول کو تسلیم کرتا ہے اور دلائل کے تتبع اور ماخذ پر تنبہ کے سلسلہ میں اپنے شیخ کے کلام سے بکثرت استعانت کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے دلائل کی رو سے احکام کا یقین ہوتا ہے اور وہ مسائل کے استنباط پر قادر ہوتا ہے خواہ یہ مسائل کم ہوں یا زیادہ۔ [۳]

۲- مجتہد مستقل کے جو تین امتیازی خصائل ذکر کئے جا چکے ہیں، مجتہد منتسب ان میں سے پہلی

(بقیہ حاشیہ) تو اولیٰ وہ ہوگی جس کی اسناد زیادہ صحیح ہو۔ اور ابن المسیب کے منقطع کے سوا کسی کا منقطع قابلِ اعتبار نہیں۔ اور ایک اصل کو دوسری اصل پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور اصل کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ ایسا کیوں ہے البتہ یہ بات فرع کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اور جب اصل پر قیاس صحیح ہو تو حجت قائم ہو جائے گی۔ (الانصاف، ص ۲۷- ۲۷)۔

۱- شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ امام شافعی کے علم کا قریب دو ثلث ہے۔ (ایضاً)

۲- الانصاف، ص ۴۷۔ ۳- عقد الجید۔ ص ۱۰۔

خصلت یعنی اصول و قواعد میں تصرف کے سلسلہ میں مجتہد مستقل کا مقلد ہوتا ہے اور دوسری خصلت میں اسی کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔[1]

بالفاظ دیگر مجتہد مستقل دلائل کی ترتیب، استنباط کے قواعد اور دو متعارض دلیلوں میں جمع کے طریقے مقرر کرتا ہے اور مجتہد منتسب یہ تمام مسائل اسی سے لیتا ہے۔[2]

۳۔ اپنے امام سے موافقت کے مقابلہ میں اس کا استدراک زیادہ ہوتا ہے تاہم وہ فی الجملہ صاحب مذہب کی طرف منتسب بھی ہوتا ہے اور اپنے مذہب کے اصول و فروع میں ان لوگوں سے ممتاز ہوتا ہے جو کسی دوسرے امام کی تقلید کرتے ہیں۔[3]

۴۔ اس کے بعض مجتہدات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جواب پہلے کسی نے نہ دیا ہو، لیکن اس کے مجتہدات ان مسائل کے مقابلہ میں کم ہوتے ہیں جن کا جواب پہلے دیا جا چکا ہو۔ جدید پیش آمدہ مسائل میں اپنے امام پر اعتماد کئے بغیر وہ براہِ راست کتاب و سنت اور آثارِ سلف کی طرف رجوع کرتا ہے۔[4]

۵۔ مجتہد مطلق منتسب علم حدیث اور اپنے اصحاب سے مروی فقہ اور اصولِ فقہ کا جامع ہوتا ہے۔[5]

مجتہد منتسب کی دو قسمیں :۔ مجتہد منتسب کی دو قسمیں ہیں۔ مجتہد منتسب مطلق اور مجتہد منتسب مقید۔ مجتہد کے سامنے اگر ایسے مسائل آئیں جن کے بارے میں مجتہد مستقل کے کلام میں کوئی نص موجود نہیں ہے تو کچھ لوگ تو مجتہد مستقل ہی کی طرح ادلہ شرعیہ سے استنباط کرتے ہیں یہ لوگ مجتہد منتسب مطلق کہلاتے ہیں اور کچھ لوگ فحوائے خطاب یا طرد علت کے ذریعہ مجتہد مستقل کے قول پہ تخریج کرتے ہیں، انہیں مجتہد منتسب مقید کہا جاتا ہے۔[6]

مجتہد مطلق منتسب کا طریقہ کار :۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مجتہد مطلق منتسب کا طریقہ کار

۱۔ الانصاف۔ ص ۴۷

۲۔ ازالہ، ج ۲ ص ۸۳۔

۳۔ الانصاف۔ ص ۶۰۔۶۱۔

۴۔ الانصاف۔ ص ۶۰۔ ۶۱۔

۵۔ عقد۔ ص ۴۲۔

۶۔ ازالہ۔ ج ۲ ص ۸۴۔

یہ ہوتا ہے کہ مالکؒ ، شافعیؒ ، ابوحنیفہؒ ، ثوریؒ اور دوسرے ان مجتہدین میں سے جن کے مذاہب مقبول ہیں، جو مسائل اور فتاویٰ منقول ہوتے ہیں انہیں یہ لوگ سب سے پہلے مؤطا اور صحیحین پر پیش کرتے ہیں ، پھر ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی احادیث پر، پھر جو مسئلہ نصًا یا اشارۃً سنت کے موافق ہوتا ہے اسے قبول کر لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں اور جس مسئلہ کے خلاف کوئی صریح حدیث موجود ہوتی ہے اسے رد کر دیتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے اور جس مسئلہ کے بارے میں احادیث اور آثار مختلف ہوتے ہیں ان میں باہم تطبیق کی کوشش کرتے ہیں ، بایں طور کہ مفسر کو مبہم کے لئے حکم قرار دیتے ہیں یا ہر حدیث کو جداگانہ محمل پر حمل کرتے ہیں یا اس کے سوا اور دوسری صورتیں اختیار کرتے ہیں - پھر اگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ سنن و آداب سے متعلق ہے تو اس کی ہر صورت کو سنت قرار دیتے ہیں ، اور اگر حلال و حرام سے یا قضاء سے متعلق ہے اور صحابہ ، تابعین اور مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے ، تو اس میں دونوں یا اس سے زیادہ جتنے اقوال ہوں ، ان سب کو درست قرار دیتے ہیں ، اور ان اقوال میں سے جو شخص جس قول کو بھی اختیار کرے ، اس پر وہ کوئی نکیر نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ میں وسعت ہے ، بشرطیکہ احادیث و آثار ہر جانب کے شاہد ہوں - اس کے بعد وہ بقدر امکان یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں سے اقویٰ اور ارجح صورت کون سی ہے - اس کی قوت و رجحان ، وہ ، یا تو ، روایت کی قوت سے معلوم کرتے ہیں ، یا اس طرح سے کہ صحابہ کی اکثریت نے اس پر عمل کیا ہے ، یا اس طرح سے کہ جمہور مجتہدین کا مذہب وہی ہے ، یا اس طرح سے کہ وہ قیاس اور اپنی دوسری نظیروں کے زیادہ موافق ہے - پھر اسی اقویٰ پر عمل کرتے ہیں ، بغیر اس کے کہ اس شخص پر کوئی نکیر کریں جس نے دوسری صورت اختیار کی ہے -

لیکن اگر انہیں کسی مسئلہ میں ان دونوں طبقوں[1] یعنی[2] مؤطا و صحیحین ، پھر ترمذی ، ابوداؤد اور

---

۱ - شاہ صاحب نے کتب حدیث کو حسب ذیل چار طبقات پر تقسیم کیا ہے :-

طبقہ اولیٰ :- مؤطا ، صحیح بخاری ، صحیح مسلم -

طبقہ ثانیہ :- سنن ابی داؤد ، جامع ترمذی اور مجتبیٰ نسائی - مسند احمد بھی قریب قریب اسی طبقہ کی کتاب ہے - رزین نے تجرید صحاح اور ابن اثیر نے جامع الاصول (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نسائی، میں کوئی حدیث نہیں ملتی تو وہ کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں صحابہ و تابعین کے آثار تلاش کرتے ہیں اور اس پر غور کرتے ہیں کہ ان کے کلام میں سے کوئی دلیل یا علت سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں۔ اگر کسی بات پر ان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے تو وہ اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن جو کچھ انہوں نے کہا ہے، اگر اس پر ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ اس کے خلاف کسی دوسری صورت پر دل مطمئن ہوتا ہے، اور وہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں مجتہد کا اجتہاد نافذ ہو سکتا ہے اور پہلے اس پر اجماع بھی نہیں ہوا، اور ان کے پاس اس کی صریح دلیل موجود ہوتی ہے تو اللہ سے استعانت اور اس پر توکل کرتے ہوئے اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت اگرچہ شاذونادر ہی پیش آتی ہے لیکن بڑی دشوار ہے اور اس میں وہ پوری احتیاط برتتے ہیں کہ ان کے قدموں کو لغزش نہ ہونے پائے۔ لیکن اگر ان کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں ہوتی تو وہ سواد اعظم کا اتباع کرتے ہیں۔ اور جس مسئلہ میں سلف کا کوئی نص یا کوئی صریح تعلیل ہوتی ہے اس میں وہ کتاب، سنت یا صحابہ و تابعین کے آثار سے کسی نص یا اشارہ کی جستجو کرتے ہیں، اگر مل جاتا ہے تو اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔

مجتہدین منتسب کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر معاملہ میں ایک عالم کی تقلید کریں خواہ ان کا

(بقیہ حاشیہ) میں اس طبقہ اور اس سے پہلے طبقہ کی طرف اعتناء کیا ہے۔

طبقہ ثالثہ:- مسانید و جوامع اور وہ مصنفات جو بخاری و مسلم کے زمانہ سے پہلے یا ان کے زمانہ میں تصنیف کئے گئے۔ مثلاً مسند ابی علی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر ابن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی کتابیں۔

طبقہ رابعہ:- کتاب الضعفاء از ابن حبان، کامل ابن عدی، خطیب، ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن النجار اور دیلمی کی کتابیں، مسند خوارزمی بھی قریب قریب اسی طبقہ کی کتاب ہے۔

(حجۃ البالغۃ۔ ج ۱ ص ۱۳۳-۱۳۵)

۲۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے عقد الجید کے ترجمہ میں اس موقع پر دو طبقوں سے صحابہ اور تابعین کے طبقات مراد لئے ہیں۔ مولانا سے یہ مسامحت ہوئی ہے۔

دل کسی بات پر مطمئن ہو یا نہ ہو۔ مجتہد منتسب کے اسی طریقہ کار کو شاہ صاحب فقہاء محدثین میں سے محققین کا طریقہ کار قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ ؎ا

اس موقع پر شاہ صاحب نے اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ مجتہدین منتسب یا فقہائے محدثین میں سے محققین، اُن اصحاب ظواہر اہل حدیث میں سے بھی نہیں ہوتے جو نہ قیاس کے قائل ہیں اور نہ اجماع کے، اور نہ ان متقدمین اصحاب حدیث میں سے ہوتے ہیں جو مجتہدین کے اقوال کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے۔ البتہ ان کا طریقہ اصحاب حدیث کے طریقہ سے بہت مشابہ ہوتا ہے کیوں کہ اصحاب حدیث جو صورت مسائل صحابہ و تابعین میں اختیار کرتے ہیں، وہی طریقہ یہ لوگ مجتہدین کے اقوال میں اختیار کرتے ہیں۔ ؎۲

<u>مجتہد مطلق منتسب کے طریقہ کار کا خلاصہ:</u>۔ مجتہد مطلق منتسب کے اسی طریقہ کار کو ایک موقع پر شاہ صاحب نے اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ "مجتہد مستقل کے مقابلہ میں مجتہد منتسب کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل مسائل کو ہر باب میں پھیلاتا ہے اور اہم مسائل کی ایک معتد بہ مقدار تحریر کر دیتا ہے اس کے بعد مجتہد منتسب، قرآن عظیم کی تفسیر، سنت، آثار سلف، لغت عرب اور قواعد استنباط کا کچھ حصہ یاد کر کے مجتہد مستقل کے پھیلائے ہوئے مسائل میں غور کرتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں کوئی نص یا کسی آیت یا کسی حدیث کا مفہوم موافق یا مخالف، اس مسئلہ کے موافق، اسے مل جاتا ہے تو فہو المراد، اور اگر نہیں ملتا، اور مسئلہ کی صورت ظاہر ہوتی ہے تو اسے قبول کر لیتا ہے۔ اور اگر اس کے مخالف، کتاب، سنت، قیاس جلی اور اجماعِ اُمت میں کوئی قوی دلیل اسے مل جاتی ہے تو تقلید کو ترک کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں قوی دلیل کو اختیار کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مخالف قول موجود نہیں ہوتا اور مسئلہ کی صورت بھی ظاہر نہیں ہے تو وہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرتا ہے۔ یا تو توقف کرتا ہے، یا مجتہد مستقل کے قول پر اعتماد کر لیتا ہے۔ ؎۳

۱۔ عقد، ص ۴۲-۴۴۔ (۲)۔ عقد، ص ۴۴۔ (۳)۔ ازالہ، ج ۲ ص ۸۳۔